خطبہ استقبالیہ مولانا
عبدالقادر قصوری
جمعیت علماء ہند
۲۰،۲۱ [illegible] ۱۹۲۷

فی ۲۴ مارچ ۱۹۸۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۰

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہٖ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہٗ و من یضللہ فلا ھادی لہٗ و نشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ و نشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ ۰

اما بعد

محترم بزرگان دین اور معزز برادران! سلام! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

اللہ تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ آج پورے بیس۲۰ سال بعد ہماری یہ دِلی مُراد بر آئی کہ جمعیتہ العلماء کے معزز و محترم اراکین نے ہماری ناچیز دعوت کو شرفِ قبولیت بخشا۔ اور اطراف و اکنافِ ھند سے علمائے کرام نے شہر لاہور کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمایا۔ اَور سفر کی صعوبات کے بڑھ جانے کے باوجود مُسلمانوں کے حقیقی رہنما ہماری عزت افزائی اور رہنمائی کے لئے اِس تعداد میں یہاں تشریف لائے۔ اراکین استقبالیہ کمیٹی اَور ہمدردان جمعیت کی طرف سے آپ بزرگوں کی اِس کرم گستری کا دِلی شکریہ ادا کر اور آپ کی تشریف آوری کا خیر مقدم کرنے کا خوشگوار فرض میرے کمزور اور ضعیف کندھوں پر ڈالا گیا ہے۔ مَیں جانتا ہُوں۔ کہ بوجہ اپنی طویل علالت اَور نقاہت مجھ اِس خوشگوار فرض کے کماحقہٗ بجالانے کی طاقت نہیں۔ لیکن اِس نیازمندانہ تعلق بنا پر جو مجھے اِس جمعیت اور اِس کے معزز اراکین سے اس کے آغاز کار سے ہے میر دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ مَیں آپ کا خیر مقدم کرنے کی سعادت سے محروم رہوں اراکین استقبالیہ کی طرف سے ہمدردانِ جمعیت اور علمائے پنجاب کی طرف سے آپ حضر

کی کرم فرمائی کا دِلی شکریہ ادا کرتا ہوں

جمعیّت عُلما کا آغاز کار

وہ آئیں گھر میں ہمارے خُدا کی قُدرت ہے کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

مجھے اِس امر کا بخوبی احساس ہے۔ کہ ہم آپ حضرات کی شایانِ شان وظائف، مہمانداری و مہمان نوازی بجا نہیں لا سکتے۔ مگر آپ بزرگوں کی ذرّہ نوازی سے اُمیّد رکھتا ہوں کہ آپ ہماری کوتاہیوں کو نظر انداز فرمائیں گے۔

آج سے بیس سال قبل یعنی ۱۹۲۲ء میں جب جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس یہاں منعقد ہُوا تھا۔ خلافت کے ہنگامے نے مُسلمانوں میں حیرت انگیز بیداری پیدا کر دی تھی۔ اور اُس جوش و خروش کو دیکھتے ہوئے جس کا اظہار پریس اور پلیٹ فارم پر اُس وقت ہو رہا تھا۔ بہی خواہان اُمتِ اسلامیہ کو یہ اُمیّد بندھ گئی تھی۔ کہ ہماری قوم کے دِن پھر گئے ہیں۔ اِس لئے جمعیّت نے بھی جو اُس وقت اپنی زندگی کے صرف تین سال طے کر چکی تھی۔ بڑے بڑے عزائم کے ساتھ سیاسی میدان میں قدم رکھا تھا جمعیّت کے ارباب حل و عقد کے پیشِ نظر ابتدائے کار سے ہی یہ حقیقت تھی۔ جسے امام دار الہجرۃ حضرت مالک بن انسؓ رحمھما اللہ نے پیش فرمایا ہے:۔

لا یصلح آخر ھذہ الامۃ الا ما صلح اولھا

یعنی اس اُمت کے آخری دَور کی اصلاح بھی اُس سے ہوگی جس نے اُس کے دورِ اوّل میں اس کی اصلاح کی یعنی کتاب و سُنّت۔

اِس لئے بانیان جمعیّت کا شروع سے ہی یہ عزم تھا۔ کہ جمعیّت العلماء کی اور اس کی وساطت سے ملّتِ اسلامیہ کی کتاب و سُنّت کے منہاج پر مکمل شیرازہ بندی کی جائے۔ اور ملّتِ اسلامیہ کی حقیقی راہنمائی کا فرض ادا کیا جائے۔

عُلمائے اسلام کی عزیمت

اراکین جمعیّت کو اس کام کی عظمت کا اور اِس راہ میں جو مُشکلات تھیں۔ اُن کا پُورا پُورا احساس تھا۔ اور اپنی بے بضاعتی کا بھی پُورا پُورا علم۔ لیکن پھر بھی اُنھوں نے اپنے ناتواں کندھوں پر اِس بار کو متوکلاً علی اللہ اُٹھایا۔ اور اِس بیس سال کی قلیل مدت میں اپنی اِس عظیم ترین ذمّہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی مختلف مساعی کیں۔ مگر بعض ناگوار مُلکی مسائل کے پیشِ نظر امارت شرعیہ کا عزم خواب وخیال ہوکر رہ گیا۔ یہ صحیح ہے۔ کہ تبلیغی سرگرمیوں کے ضمن میں جمعیّت نے شُدھی اور سنگٹھن کے فتنوں کا نہایت کامیابی سے مقابلہ کیا۔ اور دس ہزار سے زائد مرتدین کو حلقہ بگوش اسلام بنا کر تین سو کے قریب دینی مکاتب جاری کر کے مسلمانوں کو فتنۂ ارتداد سے محفوظ رکھنے کی سر توڑ کوشش کی اور موپلہ مظلومین کی اعانت سے اپنی اسلام دوستی کا ثبوت دیا۔ لیکن تاہم اِس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کہ جمعیّت اپنے اصلی اور حقیقی کام کو شروع بھی نہیں کر سکی۔

آزادیٔ کامل کا نصب العین

سیاسی میدان میں ۱۹۱۹ء میں عدم تعاون کا فتوےٰ اور جمعیّت کے موجودہ جلاس کے صدر اور ہندوستان کے سر دش مجاھد حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور ان کے دُوسرے رفقا کا قید وبند کی مصیبتیں جھیلنا۔ اب ایک تاریخی حقیقت بن چکے ہیں۔ اِس ضمن میں یہ عرض کرنا تحصیل حاصل ہے۔ کہ ہندوستان میں سب سے پہلے کامل آزادی کی آواز بھی جمعیّت نے سربلند کی جمعیّت نے کانگرس کی قرارداد مکمل آزادی سے بھی پہلے کتاب وسنّت کی روشنی میں یہ طے کیا۔ کہ اسلامی نقطۂ خیال سے ہندوستان

کی کامل آزادی کے لئے جد وجہد کرنا ہر مسلمان کا ایک مقدس اسلامی اور ملکی فریضہ ہے۔ اس کے کئی سال بعد کانگریس نے لاہور میں کامل آزادی کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ اور بالآخر مسلم لیگ نے بھی ۱۹۳۷ء میں اس نصب العین کو اختیار کیا۔ اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ ایسے بلند نصب العین کے لئے نہایت مضبوط تنظیم کی ضرورت تھی۔ اور جمعیت کا فرض تھا۔ کہ وقتی اور ہنگامی مسائل سے قطع نظر کر کے امت مسلمہ کی اسلامی تنظیم میں معروف ہو جاتی لیکن افسوس کہ بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر جمعیت وقتی اور ہنگامی مسائل میں الجھ کر رہ گئی۔ اور رجعت پسند طبقہ کو جمعیت کے خلاف مخالفت کا طوفان برپا کرنیکا موقع مل گیا۔ رجعت پسندوں نے جمعیت کو کانگریس کی ذیلی جماعت قرار دیا۔ اور اراکین جمعیت پر کانگریس اور ہندوؤں کے اجیر ہونیکے جھوٹے الزام لگانے شروع کئے اور مخالفت کا ایسا طوفان برپا کیا۔ کہ جمعیت کو اپنی تمام مساعی اسکے مقابلے میں صرف کرنا پڑی اور اسکا اصلی مقصد نا تمام کا نا تمام رہ گیا۔ یہ عرض کرنا تحصیل حاصل ہے۔ کہ رجعت پسند مخالفین نے یہ تمام جھوٹے الزام محض اسلئے لگائے۔ کہ جمعیت اپنے اصل مقصد سے ہٹ جائے۔ افسوس کہ ان لوگوں کو اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوتی اور مسلمانوں کی مذہبی تنظیم کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا

انقلابات عالم

محترم بزرگان دین! لیکن بیس سال پہلے جو اجلاس یہاں منعقد ہوا تھا۔ وہ اور ہی فضا اور اور ہی ماحول میں ہوا تھا۔ اب نہ تو وہ فضا ہے نہ وہ ماحول۔ گو بیس سال کا عرصہ قوموں اور جماعتوں کی زندگی میں بہت ہی قلیل وقفہ کہلاتا ہے لیکن اس قلیل عرصے میں ایسے عظیم الشان انقلابات وقوع پذیر ہو چکے اور ہو رہے ہیں۔ کہ شاید اسلام کے ابتدائی دور کے سوا انسانی تاریخ کے کسی گوشے میں ایسے دور رس انقلابات کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام بنی نوع انسان ایسے تشویشناک حالات سے دوچار ہیں۔ کہ کوئی بڑے سے

بڑا مبصّر بھی ہندوستان بلکہ انسانیّت کے مستقبل کے متعلق پیشین گوئی کرنے کی جسارت نہیں کرسکتا۔ آج دُنیا کی تقریباً تمام سلطنتیں انسانی خون کے ساتھ ہولی کھیل رہی ہیں۔ تہذیب و تمدن کی لہلہاتی ہوئی کھیتیاں بادِ سموم کے ہلاکت بار جھونکوں کا شکار ہو رہی ہیں۔ آباد بستیاں ویران اور بڑے بڑے معمورے برباد کئے جا رہے ہیں۔ ظالم انسان تہذیب کے رفیع الشان قصر کی اینٹ سے اینٹ بجانے میں مصروف ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اس ملحمۂ کبریٰ کا نتیجہ کیا ہوگا۔ لیکن یہ امر ظاہر ہے، کہ یہ تمام شکست و ریخت۔ یہ تمام تخریب و ہلاکت ایک تعمیرِ نو کی تمہید ہے۔ اِس حقیقت کا علم تو خدا کو ہی ہے۔ کہ یہ تعمیرِ نو انسانیّت کے لئے پیامِ رحمت ہوگی۔ یا ایک دُوسرے ملحمۂ عظیمہ کی خشتِ اوّل۔

مہلت کے لمحات

اشرٌّ اُرِیدَ بِمَن فی الارضِ اَم اَرادَ بِھِم ربُّھم رشدا

ہم دُنیا کے اِس عظیم الشان انقلاب سے جُدا نہیں ہو سکتے۔ لیکن طبعاً ہماری فوری توجہ اپنے مُلک ہندوستان اور اسلامی ممالک کی طرف مبذول ہوتی ہے۔ اور ہمیں اِس امر سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ اسلامی ممالک کی بھی قسمتوں کا فیصلہ کئی صدیوں کے لئے ہونے والا ہے۔ بہت سے اسلامی ممالک آزادی کی نعمت سے محروم ہو چکے ہیں اور اسلام کے جانباز سپاہی تُرک کی طرف بھی دشمنوں کی نگاہیں ہیں۔ معلوم نہیں کب دشمن کی حرص و آز کا بے پناہ سیلاب اِس بہادر قوم کو بھی دعوتِ مبارزت دے۔ اِدھر جنگ کے خوفناک بادل اب ہندوستان پر بھی چھایا ہی چاہتے ہیں۔ اور انقلابات و حوادث کا بے پناہ سیلاب ہمارے بدنصیب ملک پر مسلط ہو رہا ہے۔ ایک تازہ دم اور زبردست

طاقت ہمارے مُلک پر حملہ آور ہو رہی ہے۔ اور قرائن و آثار سے یہ یقین قوی ہو رہا ہے کہ مہینوں میں نہیں ہفتوں میں ہمارا مُلک بھی میدانِ کارزار بننے والا ہے۔ اور خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ کہ اِس بے یار و مددگار مُلک کو کیسی ہولناک مصائب برداشت کرنا پڑیں گی۔ اِس لئے اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ وقت بہت نازک ہے اور فرصت عمل بُہت کم۔ آج مُلک میں ہر طرف سے یہ آواز آ رہی ہے۔ کہ سب ہندوستانیوں کو اپنے مادرِ وطن کے دماغ کے لئے متحد ہو جانا چاہئیے۔ لہٰذا یہ گنتی کے چند دن جو ہمارے پاس ہیں بہت ہی اہم ہیں۔ کیونکہ ہمارے موجودہ فیصلوں پر ہماری آئندہ قسمت کا دار و مدار ہے۔ ہماری موجودہ طرزِ عمل اس امر کا فیصلہ کر دیگی۔ کہ آئندہ تعمیر نَو میں مُسلمان ایک باعزت اور خود دارانہ زندگی بسر کرینگے۔ یا غلامانہ زندگی کی لعنت میں مدّت ہائے دراز تک مبتلا رہیں گے۔ ہمیں اِس قیمتی مہلت سے فائدہ اُٹھانے کی پوری کوشش کرنی چاہئیے۔ اور میدانِ عمل میں بلا تاخیر گامزن ہونا چاہئیے۔ ورنہ ؎

گشتم کہ خار از پا کشم محمل نہان شد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

علمائے کرام سے ایک گذارش

حضرات۔ ہمیں اس قلیل مہلت میں نہ صرف اپنے گذشتہ اعمال کا جائزہ لینا اور محاسبہ کرنا اور اپنی فرو گذاشتوں اور کوتاہیوں کی اصلاح کرنا ہے۔ بلکہ آئندہ کے لئے بھی ایک ایسا دُور اندیشانہ پروگرام ملّتِ اِسلامیہ کے سامنے پیش کرنا ہے۔ جس پر چل کر وُہ نہ صرف اس مہیب خطرے میں جو اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ اپنی اسلامی روایات کے شایانِ شان اپنی عزّت و حُرمت، مال و اولاد

گھربار اور وطن کی کما حقہٗ حفاظت میں سینہ سپر ہو سکے۔ بلکہ اسلام کی کھوتی ہوئی عظمت کو بھی برقرار کر سکے۔ اور یہ کام جماعتی تنظیم کے بغیر ناممکن ہے۔

جماعتی تنظیم کی ضرورت

مسلمانوں کی جماعتی تنظیم موجودہ بیرونی حملے کے قریب الوقوع ہونے کی صورت میں اور بھی ضروری ہو گئی ہے۔ جیسا کہ میں اوپر عرض کر آیا ہوں بیرونی حملے کے پیشِ نظر ہماری عزّت و حرمت، ہمارے اموال و اولاد۔ ہمارے گھر بار اور وطن سبھی خطرے میں ہیں۔ یہ امر بھی بعید از قیاس نہیں۔ کہ ایسے وقت میں جب کہ بیرونی دشمن ہم پر حملہ آور ہو تو اندرونی دشمن یعنی خانہ جنگی، فتنہ و فساد اور لوٹ مار بھی اپنا سر اُٹھائے جیسا کہ رنگون اور برما میں ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ ہمارا اسلامی فرض ہے۔ کہ ہم اندرونی اور بیرونی دشمن کے مقابلے کے لئے مردانہ وار منظم ہو جائیں اور اگر ہم عزّت سے زندہ نہ رہ سکیں۔ تو کم از کم عزّت سے جان دینے کے قابل ہو جائیں۔ انگریزی حکومت سے یہ توقع رکھنا۔ کہ وہ ہماری حفاظت کرے گی۔ ہمارے لئے باعث شرم ہے ؎

مرا از شکستن چنداں عار ناید　　که از دیگراں خواستن مومیائی

ہمیں خود مردانہ وار اپنے وطن عزیز اور اعراض نو ہمیں میں بچانے کے لئے کھڑے ہو جانا چاہئے۔ اور اپنی ہمسایہ اقوام کے دوش بدوش آنے والے سیلاب کے مقابلے میں سدِ سکندری بن جانا چاہئے۔ بلکہ اسلام کی روایات کے شایانِ شان تو یہ ہے کہ اس گراں متاع کے دماغ کا علم مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو۔ اور سب دوسری اقوام ان کے پیچھے۔ اگر ہماری تنظیم صحیح ہو جائے تو ہر مسلم مُلک و ملّت کے دماغ کے لئے والنٹیئر ہو گا۔ اور ہماری محلہ وار کمیٹیاں اپنے اپنے محلے کے حفظ امن کی ذمہ دار ہونگی اور اس مبارک کام میں ہر ملکی جماعت کیساتھ خواہ کانگریسی ہو یا لیگی یا مہاسبھائی

جو اس مقصد کے لئے قائم کی گئی ہو اتحاد و اشتراک عمل کرنے کے لئے تیار و آمادہ ہوں گی۔

عزم وایمان کے کرشمے

اِس ضمن میں آپ کی توجہ ایک حقیقت کی طرف مبذول کرنی چاہتا ہوں۔ جسے اسلام نے تقریباً چودہ سو سال پہلے پیش کیا تھا۔ مگر جو مسلمانوں کی بے حسی اور جمود کی وجہ سے نسیاً منسیا ہو چکی تھی لیکن اسے موجودہ جنگ نے پھر بے نقاب کر دیا ہے یعنی دنیاوی ساز و سامان کبھی بھی ناقابل تسخیر عزم اور مضبوط آئیڈیل کی جگہ نہیں لے سکتے جرمنی کی افواج قاہرہ کے سیلاب کو دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت نہ روک سکی۔ لیکن اسے روکا تو رُوس نے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ روس کے علاوہ دوسری سلطنتوں کے پاس نہ کوئی صحیح آئیڈیل تھا۔ نہ ہی عزم راسخ۔ جرمنی کی ٹکر جب اُس سے ہوئی۔ تو پہلی مرتبہ دو عقیدوں کی ٹکر ہوئی۔ دو ایمانوں کا تصادم ہوا۔ دو آئیڈیلز کی مٹھ بھیڑ ہوئی۔ اِسی طرح جاپان کے مقابلے میں امریکہ اور برٹش گورنمنٹیں دونو بے بس ثابت ہوئیں۔ لیکن چینی جن کے پاس اِن دونوں حکومتوں کا عشر عشیر ساز و سامان بھی نہ تھا پانچ سال سے اس کی قزاقانہ دستبرد کے خلاف کامیابی سے لڑ رہے ہیں۔ اِس کی وجہ بھی یہی ہے۔ اسلئے بیرونی اور اندرونی دشمن دونو کے مقابلے میں ہمیں ساز و سامان سے بھی زیادہ ایک غیر متزلزل ایمان و عزم کی ضرورت ہے اور یہ متاع گرانمایہ صرف اسلامی تنظیم سے ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ اور جمعیت العلماء ہی ایک ایسی جماعت ہے جو اس کا بیڑا اُٹھا سکتی ہے۔ اور یہ میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ مسلمانوں کی نہ صرف وقتی مشکلات بلکہ تمام مشکلات کا واحد حل اسی قوتِ ایمانیہ میں مضمر ہے۔

مادہ پرستی کا سیلاب

معزز رہنمایان قوم! معاف کیجئے اگر میں اس فوری خطرے سے قطع نظر کر کے آپ کی توجہ ایک اس سے بھی زیادہ عظیم خطرے کی طرف مبذول کر دوں۔ کیونکہ اگر موذی خطرے میں ہمارے اموال و اعراض کے لئے تباہی ہے تو اس بڑے خطرے میں ہمارے ایمان اور ہمارے عقائد کے لئے پیام مرگ ہے۔ اور اگر علمائے کرام نے اس خطرے کی طرف کما حقہ، توجہ نہ کی تو مجھے ڈر ہے۔ کہ وہ مذہب و اخلاق سب کو خالم بدہن خس و خاشاک کی طرح بہائے جائیگا۔ دورِ حاضرہ کا سب سے بڑا روگ مادہ پرستی ہے! اور موجودہ جنگ جس نے اس دُنیا کو شعلہ زار بنا دیا ہے۔ اسی مادہ پرستی کا ایک ثمرۂ مشئومہ ہے۔ مادہ پرستی کو آجکل اس لئے فروغ نہیں ہو رہا۔ کہ اسکی بُنیاد کسی عقلی عقیدہ پر ہے۔ بلکہ محض اس لئے کہ یہ تہذیب یورپ کا ماحصل ہے اور اقوام یورپ کے استیلاء و اقتدار نے ان کی ہر ادا کو محکوم ایشیا مقہور افریقہ کی نظروں میں محبوب بنا دیا ہے۔ اب کسی نظریے کے رد و قبول کے لئے کسی محکم عقلی دلیل کی ضرورت نہیں۔ بلکہ صرف اتنا ہی کافی ہے۔ کہ اہل مغرب اُسے مسترد یا قبول کرتے ہیں۔ اسلئے دورِ حاضرہ کے "روشن خیال" انسان کی سمجھ میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی۔ کہ انسان کی موجودہ تمام مصائب کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ خدا سے بیگانہ ہو گیا ہے۔ اور اس کا یہ علاج نہیں۔ کہ وہ خدا سے اور بھی زیادہ بغاوت کرے۔ بلکہ یہ ہے کہ وہ اپنی جبین نیاز کو اس کی بارگاہ عزت و جلال پر پھر سے خم کر دے۔ یورپ کی موجودہ تہذیب نے جس کا سنگِ بُنیاد ہی تباہ کن سرمایہ داری ہے۔ اس دُنیا کو حقیقی معنوں میں جہنم بنا رکھا ہے۔ بھوک، افلاس فاقہ کشی، تجارتی مسابقت، جماعتی بغض و عناد کے مردم خوار دیو انسانیت کو

لقمہ بنا رہے ہیں۔ عدم سکون اور فقدان طمانیت کی آتش سوزاں نے

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ

کی تفسیر ہماری آنکھوں کے سامنے پیش کر دی ہے۔ اور خدا سے مہجور انسان اپنے خود ساختہ نظام کے آہنی شکنجے میں اسطرح جکڑا گیا ہے کہ نجات کی اسے کوئی راہ دکھائی نہیں دے رہی۔ انسان نے اس خود ساختہ جہنم سے نکلنے کی بہت کوشیش کیں لیکن العجب ثم العجب ان میں سے ہر ایک مرض دوسرے سے زیادہ خوفناک ثابت ہؤا چنانچہ سب سے آخری کوشش وہ ہے جسے کارل مارکس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور جو کمیونزم (اشتمالیت) کے نام سے موسوم ہے۔ اور جس کا تجربہ ایک وسیع پیمانے پر روس میں کیا جا رہا ہے۔ اشتمالیت درحقیقت اپنے سے قدیم تر مذہب اشتراکیت یعنی سوشلزم کی ایک اصلاح شدہ صورت ہے یہاں اشتراکیت اور اشتمالیت کی حقیقت سے بحث کرنا میرے موضوع سے خارج ہے۔ میں صرف اس عظیم الشان خطرے کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ جو مذہب اور اہل مذہب کو اس کے فروغ سے ہے۔ کارل مارکس کی اشتراکیت یا اشتمالیت درحقیقت ایک اقتصادی نظریہ ہی نہیں۔ بلکہ وہ خدا اور مذہب اور اخلاق مروجہ کے خلاف اعلان بغاوت ہے۔ کیونکہ کارل مارکس اور اس کے تمام متبعین درحقیقت انسانی تہذیب اور مغربی اقتصادی نظام یعنی سرمایہ داری کے مظالم کا ذمہ دار خدا کو گردانتے ہیں اور مذہبی اخلاقی ضوابط کو اقتصادی عدم مساوات اور افلاس و بدحالی کا ایک حد تک ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ اور گو مغربی سرمایہ داری نظام اور مغربی جمہوریت بھی خدا سے بغاوت کا ہی نتیجہ ہیں۔ لیکن جو چیلنج اشتراکیت اور اشتمالیت نے مذہب اور خدا کی بادشاہت کے تصوّر کو دیا ہے۔ وہ ایسا نہیں۔ کہ حاملین مذہب اس سے بے اعتنائی برتیں۔

ایشیا کی مرعوبیّت

ایشیائی اقوام بھی اشتراکیت کے ظواہر سے مرعوب ہو چکی ہیں۔ اور اسے بنی نوع انسان کی تمام مزمن امراض کا واحد علاج تصور کرتی ہیں یہی وجہ ہے۔ کہ اس کے در پردہ الحاد اور بیدینی بداخلاقی اور آزاد خیالی نہایت سُرعت سے ہمارے نوجوانوں میں پھیل رہی ہیں۔ یہ خیال کہ انسانی زندگی کا مُدعا و مُنتہا روٹی اور لباس ہے اور تمام حل طلب مسائل اور مشکلات کی جڑ پیٹ ہے۔ اسلئے اگر اس میں مساوات ہو جائے اور باقی تمام قیود و حدود کو بالائے طاق رکھ دیا جائے تو انسان جنت ارضی میں پہنچ جائے گا۔ بظاہر بہت ہی خوش آیند معلوم دیتا ہے اور ہمارے نوجوان طبقے کو بہت اپیل کرتا ہے لیکن اگر وقت نظر سے کام لیا جائے تو معلوم ہو جائیگا۔ کہ انسان سرمایہ داری کی جگہ اشتراکیت و اشتمالیت کو اختیار کر کے گڑھے سے نکل کر کوئیں میں گر رہا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے بعض خوش خیال نوجوانوں نے جو مذہبی میلان رکھتے ہیں اشتراکیت کے پس منظر اور اس کی حقیقت سے کماحقہٗ واقفیت حاصل کئے بغیر اسلام کو بھی ایک قسم کی اشتراکیت قرار دینا شروع کر دیا ہے۔ مجھے اِس ذہنی غلامی میں قومی ہلاکت کے جراثیم نظر آرہے ہیں۔ اسلئے میری یہ دلی خواہش ہے۔ کہ جمعیت العلماء کے مقتدر اراکین شریعت کے حاملین اور مسلمان قانون دان ہونے کی حیثیت سے اسلام کی پوزیشن کی وضاحت کریں۔ اور اِس نازک اور پُر آشوب وقت میں مسلمانوں کو بیدینی اور الحاد کے سیلاب بلا سے بچانے کی کوشش کریں اور کتاب و سُنّت کی روشنی میں انکی صحیح رہنمائی کریں۔

اسلام اور الحاد مغرب

مجھے یہ معلوم ہے کہ جمعیّت کے اغراض و مقاصد میں سے ایک مقصد مسلم پرسنل لاء

(PERSONAL LAW) کی حفاظت ہے۔ لیکن میرا مقصد اس سے بہت زیادہ بلند ہے۔ پرسنل لا۔ ایک محدود تصوّر ہے۔ میرا مقصد خود اسلام اور شریعتِ اسلامیہ کی حفاظت سے ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن حکیم کی مقدس تعلیمات اور حضرت سیدالمرسلین صلعم کی پاکیزہ زندگی نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لئے واحد ذریعۂ نجات ہے۔ اور انسان کی تمام سیاسی، معاشی اور اجتماعی مصائب کا حل قرآن حکیم کی رہنمائی میں مضمر ہے۔ لیکن آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ نہ صرف محکوم مسلمان قرآن حکیم کی اجتماعی زندگی اور اس کے شرعی نظام سے بالکل بیگانہ ہیں اور ان کی زندگی قرآنی زندگی کی عین نقیض ہے۔ بلکہ اسلامی ممالک کا ہجر و بُعد بھی اسلام اور اسکی مقدس تعلیمات سے ایسا نمایاں ہو چکا ہے۔ کہ غیر مسلم ہمارے ان وعدوں کی علانیہ تضحیک و تحقیر کرتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ خود ہم مسلمانوں میں سے اکثر کی زندگی اِس امر کی پُکار پُکار کر شہادت دے رہی ہے۔ کہ ع

میرے اِسلام کو اِک قصّہ ماضی سمجھو

ایسے وقت میں یورپ سے الحاد و مادہ پرستی کا طوفان بلا اپنی تمام نظر فریبیوں اور سحر آفرینیوں کے ساتھ اشتراکیت، اشتمالیت، آزادی، حرّیت، مساوات، مخلوط زندگی کی آواز بلند کرتا ہُوا اسلام کے ساتھ ٹکرایا۔ دینِ فطرت میں تو یہ صلاحیّت تھی۔ کہ وُہ اس طوفان کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرے اور اسے شکستِ فاش دے سکے لیکن افسوس کہ اس کے حاملین میں یہ صلاحیّت نہ تھی۔ کہ اس سرچشمۂ صافی سے فیض یاب ہو کر طوفان کے مقابلے میں ڈٹ جائیں۔ خود متفرق و مشتت تھے۔ اور جزئی اور فروعی اختلافات پر ایک دُوسرے کی تفسیق و تکفیر میں اس درجہ مشغول تھے۔ کہ شتر مرغ کی طرح انہوں نے اس طوفان سے چشم پوشی کر لینا ہی کافی خیال کیا۔ لیکن یہ طوفان ایسا نہ تھا۔ کہ اِسے نظر انداز کیا جا سکتا۔ اس نے ایسا شور محشر برپا کیا۔ کہ برسوں کے سوئے

ہوتے بیدار ہو گئے۔ اور اپنے اِرد گرد دیکھنے لگے۔ کہ ؎

ایں چہ شوریست کہ در دَورِ قمرے بینم　　ہمہ آفاق پُراز فتنہ و شرے بینم

الحمدللہ خدا کی تائید سے بہت سے علمائے حق پیدا ہو گئے جو اس خطرے کے مقابلے میں سینہ سپر ہوئے۔ اور اب بھی بفضلہ ان کی ایک ایسی جماعت موجود ہے۔ جو حق کی حمایت میں شب و روز سرگرم ہے۔ لیکن ابھی تک مغربی فتنہ کا سد باب ہونا تو درکنار اس کا استیلا بھی کم نہیں ہوا۔

علمائے حق اور انسداد فتن

اسی قسم کے پُر فتن حالات سے اسلام کو پہلے بھی دوچار ہونا پڑا ہے لیکن علمائے حق نے ہمیشہ کتاب و سنّت کی روشنی میں نئی راہیں نکالیں اور ان فتنوں کا کامیابی سے مقابلہ کیا۔ مثلاً جب خلفائے عباسیہ کے زمانے میں یونانی فلسفے اور ہندی تصوّف نے اسلامی تصوّرات پر یورش کی اور اعتزال ولاادریت اور باطنیت کے فتنوں نے سر اُٹھایا تو علمائے اسلام نے پہلے تو ان علوم کا بنظر غائر مطالعہ کیا اور غث و سمین کو جُدا جُدا کیا اور کتاب و سُنّت کو دلیل راہ بنا کر علم کلام کی بنیاد ڈالی۔ اور امام ابن تیمیہؒ نے تو رسالہ الرد علی المنطق لکھ کر یونانی فلسفے کا سر ہی کچل دیا۔ اسی طرح ہندوستان نے مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور اس آخری دور میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" لکھ کر جدید حکمت اسلامیہ کی داغ بیل ڈالی۔ اب بھی جماعت علما موجودہ مغربی فتن کا اسی صورت میں کامیابی سے مقابلہ کر سکتی ہے۔ اگر وہ اولاً اپنے فروعی اور جزئی اختلافات کو مٹا کر الحاد و بے دینی کے مقابلے میں بنیانٌ مرصوص بن جائیں۔ ثانیاً فلسفہ جدیدہ، سائنس، سرمایہ داری اقتصادیات اور اشتراکی اور اشتمالی لٹریچر سے کماحقہ واقفیت حاصل کریں اور پھر

کتاب وسُنّت سے اس کا نعم البدل ارباب نظر کے سامنے پیش کریں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ علمائے کرام براہ راست کتاب وسنّت سے مستفیض ہوں۔ اور زمانۂ نبوی اور خلافت حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو دلیل راہ بنا کر دُنیا کے سامنے اسلامی اجتماعی اور معاشی زندگی کا ایک نقشہ پیش کریں۔ اور سب سے پہلے خود اسلامی ممالک کو اس پر کاربند ہونے کی دعوت دیں۔ اور پھر تمام دُنیا کو اِس کی طرف بلائیں۔ اور یہ ثابت کر دیں کہ انسان کی تمام مصائب کا واحد حل اِسی نظام میں ہے۔

کامیابی کے دو عناصر

حضرات! کسی تحریک کی کامیابی کے لئے دو عناصر کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک تو مضبوط جماعت دُوسرے اس جماعت کے افراد کا اس تحریک کی صداقت اور کامیابی پر ناقابلِ تسخیر ایمان۔ آج ہم میں ان دونوں چیزوں کی کمی ہے۔ میری دلی تمنّا ہے۔ کہ جمعیت العلما اس دوگونہ کام کی تکمیل کا بیڑا اُٹھائے۔ اس کام کے لئے ضروری ہے۔ کہ سب سے پہلے ہم اپنے جزئی اور فروعی اختلافات کو بند کر کے ایک اہم اور عظیم الشان مقصد کے لئے ایک جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہندوستان کے مجدّد اعظم حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی نام لیوا دو جماعتیں بھی ایسے نازک وقت میں اپنے فروعی اختلافات کو مٹا کر اسلام کی حفاظت اور دماغ میں ایک ہونے کی کوشش نہیں کرتیں۔ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ اگر یہ دونوں جماعتیں اسلام کے دماغ کے مقصد عظیم کے لئے متحد ہو کر اہل سنت والجماعت کے دوسرے فرقوں کو دعوت اتحاد دیں گی تو وہ سب ان کی طاقت کو لبیک کہیں گے۔ بعد ازاں اگر اِس مقصد عظیم کو تمام دنیائے اسلام کے سامنے پیش کیا جائے۔ سب کو دعوتِ اتحاد دی جائے تو مجھے یقین ہے کہ شیعہ وسُنی

کا اتحاد بھی ناممکن الحصول نہیں ہے۔ قصہ مختصر جمعیت العلماء کی از سر نو ایسی تشکیل و تنظیم کی جائے۔ کہ وہ تمام اسلامی جماعتوں کی مقتدر اور متبوع جماعت بن جائے اور مسلمانوں کے لئے تمام امور شرعی میں اسکا فیصلہ ناطق ہو۔

قانون فسخ نکاح کی مثال

یہاں میں استطراداً ایک مثال پیش کرتا ہوں جس سے آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ ہمارا اتحاد اس غلام ملک میں بھی کس قدر مفید کام انجام دے سکتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے۔ کہ شادی شدہ عورتوں کا اپنے شوہروں کے مظالم سے نجات پانے کے لئے مرتد ہونے کے واقعات نے مسلمانوں میں کس قدر ہیجان پیدا کر دیا تھا۔ علمائے کرام نے اس خطرے کو محسوس کیا۔ کہ انگریزی پرسنل لا جو ہندوستان میں محمڈن لا کے نام سے رائج ہے۔ اس امر میں مظلوم عورت کے حق میں کافی لبرل نہیں ہے۔ چنانچہ جمعیت العلماء کے اراکین نے فقہ مالکی کو سامنے رکھ کر ایک مسودہ قانون و مرتب کیا۔ جو بعد میں سید احمد کاظمی صاحب نے مرکزی اسمبلی میں پیش کیا۔ اور جو بعض ترمیمات کے بعد "قانون فسخ نکاح" کی صورت میں پاس ہو گیا۔ اور فتنۂ ارتداد محصنات کا دروازہ بند ہو گیا۔ مجھے معلوم ہے۔ کہ جمعیت العلماء کے اکثر اراکین کو ان ترمیمات سے جو اسمبلی میں منظور ہوئیں اتفاق نہیں۔ مثلاً جمعیت کا مطالبہ تھا۔ کہ فسخ نکاح کے مقدمات صرف مسلمان حاکم یا جج کے سامنے پیش ہوں اور وہی انکا فیصلہ کرے۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ کسی غیر مسلم حاکم کو تسلیم ہی نہیں کرتی لیکن یہ مطالبہ منظور نہ ہو سکا۔ اسکے بعد بھی جمعیت العلماء نے بہت کوشش کی کہ قانون فسخ نکاح میں یہ دفعہ بڑھا دی جاوے لیکن نظر بہ حالات موجودہ اس دفعہ کی ایزادی قریباً ناممکن ہے اگر آپ حضرات مجھے معاف فرمائیں تو میں یہ عرض کرونگا۔ کہ ہماری اس مساعی کی

ناکامی کے ذمہ دار بھی ہم خود ہیں افسوس ہم اپنی کمزوری کے درمان غیر مسلموں کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے ہیں۔ اس ضمن میں آپکو پارسی قوم سے سبق حاصل کرنا چاہیئے پارسی قوم نے اپنی مذہبی تنظیم کی ہے۔ اور انکے مدبرِ اعظم کے ماتحت تمام ان شہروں میں جہاں پارسی آباد ہیں پارسی مذہبی پنچایتیں آباد ہیں۔ اِن پنچایتوں کے رُکن صرف پارسی علما ہی ہوسکتے ہیں۔ پارسیوں کے تمام مذہبی اور معاشرتی معاملات و مقدمات ان مذہبی پنچایتوں کے سامنے پیش ہوتے ہیں اور ان کا فیصلہ ناطق ہوتا ہے۔ اسکے خلاف اپیل صرف بمبئی ہائیکورٹ میں ہی ہوسکتی ہے۔ اسطرح اگر جمعیت العلما اپنی تشکیل و تنظیم کر کے مسلمانوں کو منظم کرسکتی تو اسکے لئے بالکل آسان تھا کہ ایک کل ہند دار القضا قائم کر کے ہر ہر ضلع میں اس کی شاخیں قائم کر دے! ور مسلمانوں کو حکم دے۔ کہ اپنے تمام شرعی مقدمات کو ان شرعی اداروں کے سامنے پیش کریں! ور پھر گورنمنٹ سے مطالبہ کرے کہ دار القضا اور اسکے ملحقہ اداروں کے فیصلوں کو قانونی طور پر تسلیم کیا جائے۔ اور انکے فیصلے کے خلاف اپیل صرف مقامی ہائیکورٹ میں مسلمان جج کے سامنے ہوسکے۔ یہ چیز نہ صرف گورنمنٹ کے لئے قابل قبول ہوگی۔ بلکہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔

مسلمانوں کی جماعتی تنظیم کے چند مرحلے

قصہ مختصر۔ بزرگانِ من! میری ناقص رائے میں مسلمانوں کی موجودہ تمام مشکلات اور بیرونی اور اندرونی خطرات کا مقابلہ کرنے اور الحاد و بیدینی کے سیلاب کو روکنے کے لئے سب سے اقدم ضرورت یہ ہے۔ کہ جمعیت العلما مسلمانوں کی جماعتی تنظیم کا بیڑا اُٹھائے اور سب وقتی اور ہنگامی کاموں سے قطع نظر کر کے اس ایک اہم مقصد کو لے کر میدانِ عمل میں اُتر آئے ؎

مصلحت دیدِ من آنست کہ یارانِ ہمہ کار بگذارند و خمِ طرّۂ یارے گیرند

اور اس کے لئے ضروری ہے کہ۔

۱۔ جیسا کہ میں بار بار عرض کر چکا ہوں۔ جمعیت العلماء کی از سر نو تشکیل و تنظیم ہونی چاہئے۔ اور اختلافی و فروعی مسائل سے قطع نظر کر کے تمام علما کو اس میں شرکت کی دعوت دینی چاہئے! ور اسکی مجلس عاملہ ایسی مضبوط ہونی چاہئے۔ کہ وہ اس کام کو پوری تندھی سے سرانجام دینے کی اہل ہو۔

۲۔ پھر چیدہ چیدہ علما کی سب کمیٹیاں بنائی جائیں جن میں سے ہر ایک مندرجہ ذیل امور میں سے ایک ایک موضوع پر کام کرنا شروع کر دے۔ یہ ضروری ہے کہ ہر کمیٹی میں جماعت اہلحدیث، دیوبندی جماعت اور فرنگی محلی اور بریلوی جماعتوں کے نمائندے شریک ہوں۔

(ا) فقہائے اربعہ اور ائمہ اہلحدیث کے اجتہادات سے استفادہ کر کے جدید مسلم پرسنل لا کی تشکیل کرے۔ تا کہ اسے بطور فقہ رائج الوقت تمام اسلامی ممالک میں رواج دیا جا سکے۔ ریاست بھوپال میں مستحسن اقدام ہو چکا ہے لیکن یہ کام ایک ریاست کے بس کا نہیں یہ جمعیت کا کام ہے

(ب) موجودہ اقتصادی اور سیاسی مذاہب کا بنظر غائر مطالعہ کرے۔ اور کتاب و سنت کے مجوزہ اقتصادی اور سیاسی نظام کو منقح شکل میں پیش کرے۔ تا کہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ جس اکسیر اعظم کی انہیں تلاش ہے وہ نہ تو کسی ڈیموکریسی میں نہ ہی شراکیت و اشتمالیت میں نہ ہی فاشسزم میں ہے۔ بلکہ اسلام میں ہے۔ اور تمام بنی نوع انسان پر یہ حقیقت روشن ہو جائے۔ کہ ان کا مدعا و منتہا کیا تھا ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

(ج) کل ہند دار القضا کی تشکیل و ترتیب اور اسکی ضلع وار شاخوں کا قیام۔ یہاں تک کہ ہر مسلم تحصیل، قریہ اور قصبے میں ایک ایک مسلم قاضی کا تعین و تقرر ہو جائے۔

(د) مسلمانانِ ہند کی شرعی تنظیم اور بیت المال کا قیام۔ اور اس کے ذیل میں اسلامی

کوآپریٹو سسٹم کی تشکیل و تعمیر۔

(س) اوقاف کی نگرانی اور انکا صحیح انتظام۔

(س) تبلیغی کمیٹیاں مرتب کرنا مسلمانوں کی مذہبی اقتصادی اور معاشرتی اصلاح غیر مسلموں میں اشاعت اسلام۔ بالخصوص اچھوتوں کو دعوت دیکر انہیں اسلام کی برادری میں شامل کرکے انسانی حقوق سے متمتع کرنا۔ اسکی ذیل میں دیہاتوں کی اصلاح و تہذیب کا کام خاص طور پر توجہ کے قابل ہے۔

(ص) عربی دینی مدارس کے نصاب کو موجودہ ضروریات کے مطابق بناکر مسلمانوں کے تعلیمی نظام کی اصلاح و تجدید۔

مسلمان مذہب کے شیدائی ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ اگر ہم غور و خوض کے بعد مندرجہ بالا خاکہ کے مطابق کام کرنا شروع کردیں۔ تو مسلمانانِ ہند بہت جلد ہندوستان میں صفِ اول میں جگہ پانے کے قابل ہو سکیں گے۔ کیونکہ میں اپنے بیس پچیس سالہ سیاسی جدوجہد کے تجربے کی بنا پر بوثوق کہہ سکتا ہوں۔ کہ مسلمانانِ ہند اپنے وطن کی آزادی کے حصول کے شوق میں کسی دوسری قوم سے پیچھے نہیں۔ وہ ہر وقت اس کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے کے لئے تیار ہیں۔ وہ مال و دولت کے پیاسے نہیں۔ وہ آزادی کے پیاسے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ آزادی کا سبق ہر مسلم کو اسکے مذہب نے گھٹی میں گھول کر پلایا ہے۔ وہ آزادی کا متلاشی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے مذہب کا دالہ اور شیدا ہے۔ اور مذہب کے نام پر وہ ہر قسم کی قربانی کرنے کیلئے ہر وقت مستعد ہے۔ بے خبر لوگ اسے "مذہبی مجنوں" کہکر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ مگر میں اس جنون پر فخر کرتا ہوں۔ یہی ہمارا سرمایہ حیات ہے۔ اسلئے اگر جمعیت العلما مسلمانوں کی شرعی تنظیم کیلئے متوکلاً علی اللہ میدان میں اتر آئیگی۔ تو مجھے یقین ہے کہ مسلمان دیوانہ وار اسکی دعوت پر لبیک کہیں گے۔ میں اپنے تجربے و علم کی بنا پر بڑے وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ ہندوستان کے

مسلمان کو اپنی ذلت کا کماحقہ احساس ہو چکا ہے۔ اور اسے اس امر کا بھی یقین ہو چکا ہے کہ اس کی نجات تنظیم اسلامی میں ہے۔ اس لئے جب کبھی اور جہاں کہیں بھی تنظیم کی صدا بلند ہوتی مسلمان تعلیم یافتہ نوجوانوں نے اسے لبیک کہا مسلمانوں کے اس ذہنی اضطراب کی تصویر مرزا غالب نے خوب کھینچی ہے ؎

چلتا ہوں تھوڑی دُور ہر اک راہ رو کے ساتھ پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

اسلئے جب مسلمانوں کو صحیح راہبر مل جائے گا تو اسوقت انکے جوش اور فدویت کا اندازہ کرنا مشکل ہو گا۔ مسالہ تیار ہے۔ آپ اس کو استعمال کرنے کے لئے کمر ہمت باندھیئے۔

ہمارے صدر محترم

حضرات! خوش قسمتی سے ہماری جمعیت کی باگ ڈور ایک ایسی محترم ہستی نے اپنے ہاتھ میں لی ہے جنکی مجاہدانہ سرفروشیاں محتاج تعارف نہیں۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی ان مخلص جانثاروں اور سچے مجاہدوں کی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو ہندوستان میں موجودہ جہاد آزادی کی حقیقی علمبردار تھی۔ اِس پیر جوان ہمت کا جذبۂ خدمت اسلامی، ایثار و اخلاص، اسلاف کرام کی یاد تازہ کرتا ہے۔ اِن کی ذاتِ گرامی سے ہماری بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔ اللہ تعالےٰ اِس خضر راہ کو عمر اور توانائی عطا فرمائے۔ کہ موجودہ تلاطم انگیز دور میں ہماری کشتی کی ناخدائی کے فرائض انجام دے سکیں۔ آمین ثم آمین۔

میں اب آپکا زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا اور اپنی کوتاہیوں کی دوبارہ معذرت کرتے ہوئے صدر محترم حضرت مولٰنا حسین احمد صاحب مدظلہ العالی سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ وہ کرسی صدارت کو رونق بخشیں۔

و اٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

۲۰ مارچ ۳۲ء عبدالقادر قصوری

تحفۃ العلماء جلد ۲

ضبط مارچ ۱۹۸۳۹

خطبہ استقبالیہ

اجلاس سیزدہم (۱۳) جمعیۃ علماء ہند

منعقدہ ۲-۳-۴ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ

مطابق ۲۰-۲۱-۲۲ مارچ ۱۹۴۲ء

(مولانا) عبدالقادر قصوری

صدر مجلس استقبالیہ

(حجازی پریس موری گیٹ لاہور میں باہتمام مولوی عبدالمجید صاحب خادم پرنٹر و پبلشر چھپا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہٖ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیّاٰت اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہٗ و من یضللہ فلا ھادی لہٗ و نشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ و نشہد انّ محمداً عبدہٗ و رسولہٗ ۰

امّا بعد

محترم بزرگان دین اور معزّز برادران! سلام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ آج پورے بیس سال بعد ہماری یہ دِلی مُراد بر آئی کہ جمعیتہ العلماء کے معزّز و محترم اراکین نے ہماری ناچیز دعوت کو شرفِ قبولیّت بخشا۔ اور اطراف و اکنافِ ھند سے علمائے کرام نے شہر لاہور کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمایا۔ اور سفر کی صعوبات کے بڑھ جانے کے باوجود مُسلمانوں کے حقیقی رہنما ہماری عزت افزائی اور رہنمائی کے لئے اِس تعداد میں یہاں تشریف لائے۔ اراکین استقبالیہ کمیٹی اور ہمدردانِ جمعیّت کی طرف سے آپ بزرگوں کی اِس کرم گستری کا دِلی شکریہ ادا کرنے اور آپ کی تشریف آوری کا خیر مقدم کرنے کا خوشگوار فرض میرے کمزور اور ضعیف کندھوں پر ڈالا گیا ہے۔ مَیں جانتا ہُوں۔ کہ بوجہ اپنی طویل علالت اور نقاہت مجھ میں اِس خوشگوار فرض کے کماحقہٗ بجالانے کی طاقت نہیں۔ لیکن اِس نیازمندانہ تعلّق کی بنا پر جو مجھے اِس جمعیّت اور اس کے معزّز اراکین سے اس کے آغاز کار سے ہے میرے دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ میں آپ کا خیر مقدم کرنے کی سعادت سے محروم رہوں۔ میں اراکین استقبالیہ کی طرف سے ہمدردانِ جمعیّت اور علمائے پنجاب کی طرف سے آپ حضرات

کی کرم فرمائی کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں

جمعیّت علما کا آغاز کار

وہ آئیں گھر میں ہمارے خُدا کی قُدرت ہے کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

مجھے اِس امر کا بخوبی احساس ہے۔ کہ ہم آپ حضرات کی شایانِ شان وظائف، مہمانداری و مہمان نوازی بجا نہیں لا سکتے۔ مگر آپ بزرگوں کی ذرّہ نوازی سے اُمیّد رکھتا ہوں کہ آپ ہماری کوتاہیوں کو نظرانداز فرمائیں گے۔

آج سے بیس سال قبل یعنی ۱۹۲۲ء میں جب جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس یہاں منعقد ہوُا تھا۔ خلافت کے ہنگامے نے مُسلمانوں میں حیرت انگیز بیداری پیدا کر دی تھی۔ اور اُس جوش وخروش کو دیکھتے ہوئے جس کا اظہار پریس اور پلیٹ فارم پر اُس وقت ہو رہا تھا۔ بہی خواہانِ اُمّتِ اسلامیہ کو یہ اُمیّد بندھ گئی تھی۔ کہ ہماری قوم کے دِن پھر گئے ہیں۔ اِس لئے جمعیّت نے بھی جو اُس وقت اپنی زندگی کے صرف تین سال طے کر چُکی تھی۔ بڑے بڑے عزائم کے ساتھ سیاسی میدان میں قدم رکھا تھا۔ جمعیّت کے اربابِ حل وعقد کے پیشِ نظر ابتدائے کار سے ہی یہ حقیقت تھی۔ جسے امام دارالہجرۃ حضرت مالک بن انس رحمہما اللہ نے پیش فرمایا ہے:-

لا یصلح آخر ھذہ الامۃ الا ما صلح اولھا

یعنی اس امت کے آخری دور کی اصلاح بھی اُس سے ہوگی جس نے اُس کے دورِ اوّل میں اس کی اصلاح کی یعنی کتاب وسُنت۔

اِس لئے بانیانِ جمعیّت کا شروع سے ہی یہ عزم تھا۔ کہ جمعیّت العلماء کی اور اس کی وساطت سے ملّتِ اسلامیہ کی کتاب وسُنّت کے منہاج پر مکمل شیرازہ بندی کی جائے۔ اور ملّتِ اسلامیہ کی حقیقی راہنمائی کا فرض ادا کیا جائے۔

علمائے اسلام کی عزیمت

اراکین جمعیّت کو اِس کام کی عظمت کا اور اِس راہ میں جو مُشکلات تھیں۔ اُن کا پُورا پُورا احساس تھا۔ اور اپنی بے بضاعتی کا بھی پُورا پُورا علم۔ لیکن پھر بھی اُنھوں نے اپنے ناتواں کندھوں پر اِس بار کو متوکلاً علی اللہ اُٹھایا۔ اور اِس بیس سال کی قلیل مدت میں اپنی اِس عظیم ترین ذمّہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی مختلف مساعی کیں۔ مگر بعض ناگوار ملکی مسائل کے پیشِ نظر امارت شرعیہ کا عزم خواب وخیال ہو کر رہ گیا۔ یہ صحیح ہے۔ کہ تبلیغی سرگرمیوں کے ضمن میں جمعیّت نے شُدھی اور سنگھٹن کے فتنوں کا نہایت کامیابی سے مقابلہ کیا۔ اور دس ہزار سے زائد مرتدین کو حلقہ بگوش اسلام بنا کر تین سو کے قریب دینی مکاتب جاری کر کے مسلمانوں کو فتنۂ ارتداد سے محفوظ رکھنے کی سرتوڑ کوشش کی اور موپلہ مظلومین کی اعانت سے اپنی اسلام دوستی کا ثبوت دیا۔ لیکن تاہم اِس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کہ جمعیّت اپنے اصلی اور حقیقی کام کو شروع بھی نہیں کر سکی۔

آزادیٔ کامل کا نصب العین

سیاسی میدان میں ۱۹۱۹ء میں عدم تعاون کا فتوےٰ اور جمعیّت کے موجودہ اجلاس کے صدر اور ہندوستان کے سرفروش مجاہد حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور ان کے دُوسرے رفقا کا قید وبند کی مصیبتیں جھیلنا۔ اب ایک تاریخی حقیقت بن چکے ہیں۔ اِس ضمن میں یہ عرض کرنا تحصیل حاصل ہے۔ کہ ہندوستان میں سب سے پہلے کامل آزادی کی آواز بھی جمعیّت نے سربلند کی جمعیّت نے کانگرس کی قرارداد مکمل آزادی سے بھی پہلے کتاب وسنّت کی روشنی میں یہ طے کیا۔ کہ اسلامی نقطۂ خیال سے ہندوستان

کی کامل آزادی کے لئے جدوجہد کرنا ہر مسلمان کا ایک مقدس، اسلامی اور ملکی فریضہ ہے۔ اس کے کئی سال بعد کانگریس نے لاہور میں کامل آزادی کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ اور بالآخر مسلم لیگ نے بھی ۱۹۳۷ء میں اس نصب العین کو اختیار کیا۔ اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ ایسے بلند نصب العین کے لئے نہایت مضبوط تنظیم کی ضرورت تھی۔ اور جمعیت کا فرض تھا۔ کہ وقتی اور ہنگامی مسائل سے قطع نظر کر کے امت مسلمہ کی اسلامی تنظیم میں معروف ہو جاتی لیکن افسوس کہ بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر جمعیت وقتی اور ہنگامی مسائل میں الجھ کر رہ گئی - اور رجعت پسند طبقہ کو جمعیت کے خلاف مخالفت کا طوفان برپا کرنیکا کا موقع مل گیا۔ رجعت پسندوں نے جمعیت کو کانگریس کی ذیلی جماعت قرار دیا۔ اور اراکین جمعیت پر کانگریس اور ہندؤں کے اجیر ہونیکے جھوٹے الزام لگانے شروع کئے اور مخالفت کا ایسا طوفان برپا کیا۔ کہ جمعیت کو اپنی تمام مساعی اسکے مقابلے میں صرف کرنا پڑی اور اسکا اصلی مقصد ناتمام کا ناتمام رہ گیا۔ یہ عرض کرنا تحصیل حاصل ہے۔ کہ رجعت پسند مخالفین نے یہ تمام جھوٹے الزام محض اسلئے لگائے۔ کہ جمعیت اپنے اصل مقصد سے ہٹ جائے۔ افسوس کہ ان لوگوں کو اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی اور مسلمانوں کی مذہبی تنظیم کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا

انقلابات عالم

محترم بزرگان دین! بیس سال پہلے جو اجلاس یہاں منعقد ہوا تھا۔ وہ اور ہی فضا اور اور ہی ماحول میں ہوا تھا۔ اب نہ تو وہ فضا ہے نہ وہ ماحول۔ گو بیس سال کا عرصہ قوموں اور جماعتوں کی زندگی میں بہت ہی قلیل وقفہ کہلاتا ہے لیکن اس قلیل عرصے میں ایسے عظیم الشان انقلابات وقوع پذیر ہو چکے اور ہو رہے ہیں۔ کہ شاید اسلام کے ابتدائی دور کے سوا انسانی تاریخ کے کسی گوشے میں ایسے دور رس انقلابات کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ نہ صرف ہندستان بلکہ تمام بنی نوع انسان ایسے تشویشناک حالات سے دوچار ہیں۔ کہ کوئی بڑے سے

بڑا مبصّر بھی ہندوستان بلکہ انسانیّت کے مستقبل کے متعلق پیشین گوئی کرنے کی جسارت نہیں کرسکتا۔ آج دُنیا کی تقریباً تمام سلطنتیں انسانی خون کے ساتھ ہولی کھیل رہی ہیں۔ تہذیب و تمدّن کی لہلہاتی ہوئی کھیتیاں بادِ سموم کے ہلاکت بار جھونکوں کا شکار ہو رہی ہیں۔ آباد بستیاں ویران اور بڑے بڑے معمورے برباد کئے جا رہے ہیں۔ ظالم انسان تہذیب کے رفیع الشان قصر کی اینٹ سے اینٹ بجانے میں مصروف ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اس ملحمہ کبرےٰ کا نتیجہ کیا ہوگا۔ لیکن یہ امر ظاہر ہے، کہ یہ تمام شکست و ریخت۔ یہ تمام تخریب و ہلاکت ایک تعمیر نو کی تمہید ہے۔ اِس حقیقت کا علم تو خدا کو ہی ہے۔ کہ یہ تعمیرِ نو انسانیّت کے لئے پیامِ رحمت ہوگی۔ یا ایک دُوسرے ملحمہ عظیمہ کی خشت اوّل۔

مہلت کے لمحات

اشرٌ ارید بمن فی الارض ام اراد بھم ربھم رشدا

ہم دُنیا کے اِس عظیم الشان انقلاب سے جُدا نہیں ہو سکتے۔ لیکن طبعاً ہماری فوری توجہ اپنے مُلک ہندوستان اور اسلامی ممالک کی طرف مبذول ہوتی ہے۔ اور ہمیں اِس امر سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ اسلامی ممالک کی بھی قسمتوں کا فیصلہ کئی صدیوں کے لئے ہونے والا ہے۔ بہت سے اسلامی ممالک آزادی کی نعمت سے محروم ہو چکے ہیں اور اسلام کے جانباز سپاہی تُرک کی طرف بھی دشمنوں کی نگاہیں ہیں۔ معلوم نہیں کب دشمن کی حرص و آز کا بے پناہ سیلاب اِس بہادر قوم کو بھی دعوتِ مبارزت دے۔ اِدھر جنگ کے خوفناک بادل اب ہندوستان پر بھی چھا ہی چاہتے ہیں۔ اور انقلابات و حوادث کا بے پناہ سیلاب ہمارے بدنصیب ملک پر مسلط ہو رہا ہے۔ ایک تازہ دم اور زبردست

طاقت ہمارے ملک پر حملہ آور ہو رہی ہے۔ اور قرائن و آثار سے یہ یقین قوی ہو رہا ہے کہ مہینوں میں نہیں ہفتوں میں ہمارا ملک بھی میدانِ کارزار بننے والا ہے۔ اور خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ کہ اِس بے یار و مددگار ملک کو کیسی ہولناک مصائب برداشت کرنا پڑیں گی۔ اِس لئے اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ وقت بہت نازک ہے اور فرصت عمل بہت کم۔ آج ملک میں ہر طرف سے یہ آواز آ رہی ہے۔ کہ سب ہندوستانیوں کو اپنے مادرِ وطن کے دماغ کے لئے متحد ہو جانا چاہئے۔ لہٰذا یہ گنتی کے چند دن جو ہمارے پاس ہیں بہت ہی اہم ہیں۔ کیونکہ ہمارے موجودہ فیصلوں پر ہماری آئندہ قسمت کا دارومدار ہے۔ ہماری موجودہ طرزِ عمل اس امر کا فیصلہ کر دیگی۔ کہ آئندہ تعمیرِ نو میں مسلمان ایک باعزت اور خوددارانہ زندگی بسر کرینگے۔ یا غلامانہ زندگی کی لعنت میں مدت ہائے دراز تک مبتلا رہیں گے۔ ہمیں اِس قیمتی مہلت سے فائدہ اُٹھانے کی پوری کوشش کرنی چاہئے۔ اور میدانِ عمل میں بلا تاخیر گامزن ہونا چاہئے۔ ورنہ ؎

گشتم کہ خارا زپا کشم محمل نہان شد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

علمائے کرام سے ایک گذارش

حضرات۔ ہمیں اس قلیل مہلت میں نہ صرف اپنے گذشتہ اعمال کا جائزہ لینا اور محاسبہ کرنا اور اپنی فردگذاشتوں اور کوتاہیوں کی اصلاح کرنا ہے۔ بلکہ آئندہ کے لئے بھی ایک ایسا دور اندیشانہ پروگرام ملتِ اسلامیہ کے سامنے پیش کرنا ہے۔ جس پر چل کر وہ نہ صرف اس مہیب خطرے میں جو اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ اپنی اسلامی روایات کے شایانِ شان اپنی عزت و حرمت، مال و اولاد

گھر بار اور وطن کی کما حقہ حفاظت میں سینہ سپر ہو سکے۔ بلکہ اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت کو بھی برقرار کر سکے۔ اور یہ کام جماعتی تنظیم کے بغیر ناممکن ہے۔

جماعتی تنظیم کی ضرورت

مسلمانوں کی جماعتی تنظیم موجودہ بیرونی حملے کے قریب الوقوع ہونے کی صورت میں اور بھی ضروری ہو گئی ہے۔ جیسا کہ میں اوپر عرض کر آیا ہوں بیرونی حملے کے پیشِ نظر ہماری عزّت و حرمت، ہمارے اموال و اولاد۔ ہمارے گھر بار اور وطن سبھی خطرے میں ہیں۔ یہ امر بھی بعید از قیاس نہیں۔ کہ ایسے وقت میں جب کہ بیرونی دشمن ہم پر حملہ آور ہو تو اندرونی دشمن یعنی خانہ جنگی، فتنہ و فساد اور لوٹ مار بھی اپنا سر اُٹھائے جیسا کہ رنگون اور برما میں ہؤا ہے اور ہو رہا ہے۔ ہمارا اسلامی فرض ہے۔ کہ ہم اندرونی اور بیرونی دشمن کے مقابلے کے لئے مردانہ وار منظم ہو جائیں اور اگر ہم عزّت سے زندہ نہ رہ سکیں۔ تو کم از کم عزّت سے جان دینے کے قابل ہو جائیں۔ انگریزی حکومت سے یہ توقع رکھنا۔ کہ وہ ہماری حفاظت کرے گی۔ ہمارے لئے باعث شرم ہے ؎

مرا از شکستن چناں عار ناید کہ از دیگراں خواستن مومیائی

ہمیں خود مردانہ وار اپنے وطن عزیز اور اعراض و نفوس میں بچانے کے لئے کھڑے ہو جانا چاہئے۔ اور اپنی ہمسایہ اقوام کے دوش بدوش آنے والے سیلاب کے مقابلے میں سدِ سکندری بن جانا چاہئے۔ بلکہ اسلام کی روایات کے شایانِ شان تو یہ ہے کہ اس گراں متاع کے دماغ کا علم مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو۔ اور سب دوسری اقوام ان کے پیچھے۔ اگر ہماری تنظیم صحیح ہو جائے تو ہر مسلم مُلک و ملّت کے دماغ کے لئے والنٹیئر ہو گا۔ اور ہماری محلہ دار کمیٹیاں اپنے اپنے محلے کے حفظ امن کی ذمہ دار ہونگی اور اس مبارک کام میں ہر ملکی جماعت کیساتھ خواہ کانگریسی ہو یا لیگی یا مہاسبھائی

جو اس مقصد کے لئے قائم کی گئی ہو اتحاد و اشتراکِ عمل کرنے کے لئے تیّار و آمادہ ہوں گی۔

عزم و ایمان کے کرشمے

اِس ضمن میں آپ کی توجہ ایک حقیقت کی طرف مبذول کرنی چاہتا ہوں۔ جسے اسلام نے تقریباً چودہ سو سال پہلے پیش کیا تھا۔ مگر جو مسلمانوں کی بے حسی اور جمود کی وجہ سے نسیاً منسیا ہو چکی تھی لیکن اسے موجودہ جنگ نے پھر بے نقاب کر دیا ہے یعنی دنیاوی ساز و سامان کبھی بھی ناقابل تسخیر عزم اور مضبوط آئیڈیل کی جگہ نہیں لے سکتے جرمنی کی افواج قاہرہ کے سیلاب کو دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت نہ روک سکی۔ لیکن اسے روکا تو رُوس نے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ روس کے علاوہ دوسری سلطنتوں کے پاس نہ کوئی صحیح آئیڈیل تھا۔ نہ ہی عزم راسخ۔ جرمنی کی ٹکر جب اُس سے ہوئی۔ تو پہلی مرتبہ دو عقیدوں کی ٹکر ہوئی۔ دو ایمانوں کا تصادم ہوا۔ دو آئیڈیلز کی مٹھ بھیڑ ہوئی۔ اسی طرح جاپان کے مقابلے میں امریکہ اور برٹش گورنمنٹیں دونو بے بس ثابت ہوئیں لیکن چینی جن کے پاس اِن دونوں حکومتوں کا عشر عشیر ساز و سامان بھی نہ تھا پانچ سال سے اس کی قزاقانہ دستبرد کے خلاف کامیابی سے لڑ رہے ہیں۔ اِس کی وجہ بھی یہی ہے۔ اسلئے بیرونی اور اندرونی دشمن دونو کے مقابلے میں ہمیں ساز و سامان سے بھی زیادہ ایک غیر متزلزل ایمان و عزم کی ضرورت ہے اور یہ متاعِ گرانمایہ صرف اسلامی تنظیم سے ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ اور جمعیت العلماء ہی ایک ایسی جماعت ہے جو اس کا بیڑا اُٹھا سکتی ہے۔ اور یہ میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ مسلمانوں کی نہ صرف وقتی مشکلات بلکہ تمام مشکلات کا واحد حل اِسی قوتِ ایمانیہ میں مضمر ہے۔

مادہ پرستی کا سیلاب

معزز رہنمایان قوم! معاف کیجئے اگر میں اس فوری خطرے سے قطع نظر کر کے آپ کی توجہ ایک اس سے بھی زیادہ عظیم خطرے کی طرف مبذول کر دوں۔ کیونکہ اگر موذی خطرے میں ہماری اموال واعراض کے لئے تباہی ہے تو اس بڑے خطرے میں ہمارے ایمان اور ہمارے عقائد کے لئے پیام مرگ ہے۔ اور اگر علمائے کرام نے اس خطرے کی طرف کما حقہ، توجہ نہ کی تو مجھے ڈر ہے۔ کہ وہ مذہب و اخلاق سب کو خاکم بدہن خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائیگا۔ دورِ حاضرہ کا سب سے بڑا روگ مادہ پرستی ہے! ور موجودہ جنگ جس نے اِس دُنیا کو شعلہ زار بنا دیا ہے۔ اسی مادہ پرستی کا ایک ثمرۂ مشئومہ ہے۔ مادہ پرستی کو آجکل اس لئے فروغ نہیں ہو رہا۔ کہ اسکی بُنیاد کسی عقلی عقیدہ پر ہے۔ بلکہ محض اس لئے کہ یہ تہذیب یورپ کا ماحصل ہے اور اقوام یورپ کے استیلاء و اقتدار نے ان کی ہر ادا کو محکوم ایشیا مقہور افریقہ کی نظروں میں محبوب بنا دیا ہے۔ اب کسی نظریے کے رد و قبول کے لئے کسی محکم عقلی دلیل کی ضرورت نہیں۔ بلکہ صرف اتنا ہی کافی ہے۔ کہ اہل مغرب اُسے مسترد یا قبول کرتے ہیں۔ اِسلئے دورِ حاضرہ کے "روشن خیال" انسان کی سمجھ میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی۔ کہ انسان کی موجودہ تمام مصائب کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ خدا سے بیگانہ ہو گیا ہے۔ اور اس کا یہ علاج نہیں۔ کہ وہ خدا سے اور بھی زیادہ بغاوت کرے۔ بلکہ یہ ہے کہ وہ اپنی جبین نیاز کو اس کی بارگاہ عزت و جلال پر پھر سے خم کر دے۔ یورپ کی موجودہ تہذیب نے جس کا سنگِ بُنیاد ہی تباہ کن سرمایہ داری ہے۔ اِس دُنیا کو حقیقی معنوں میں جہنم بنا رکھا ہے۔ بھوک، افلاس فاقہ کشی، تجارتی مسابقت، جماعتی بغض و عناد کے مردم خوار دیو انسانیت کو

لقمہ بنا رہے ہیں۔ عدم سکون اور فقدانِ طمانیت کی آتشِ سوزاں نے

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ

کی تفسیر ہماری آنکھوں کے سامنے پیش کر دی ہے۔ اور خدا سے مہجور انسان اپنے خود ساختہ نظام کے آہنی شکنجے میں اس طرح جکڑا گیا ہے کہ نجات کی اسے کوئی راہ دکھائی نہیں دے رہی۔ انسان نے اس خود ساختہ جہنم سے نکلنے کی بہت کوشش کیں لیکن العجب ثم العجب ان میں سے ہر ایک مرض دوسرے سے زیادہ خوفناک ثابت ہؤا چنانچہ سب سے آخری کوشش وہ ہے جسے کارل مارکس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور جو کمیونزم (اشتمالیت) کے نام سے موسوم ہے۔ اور جس کا تجربہ ایک وسیع پیمانے پر روس میں کیا جا رہا ہے۔ اشتمالیت درحقیقت اپنے سے قدیم تر مذہب اشتراکیت یعنی سوشلزم کی ایک اصلاح شدہ صورت ہے۔ یہاں اشتراکیت اور اشتمالیت کی حقیقت سے بحث کرنا میرے موضوع سے خارج ہے۔ میں صرف اس عظیم الشان خطرے کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ جو مذہب اور اہلِ مذہب کو اس کے فروغ سے ہے۔ کارل مارکس کی اشتراکیت یا اشتمالیت درحقیقت ایک اقتصادی نظریہ ہی نہیں۔ بلکہ وہ خدا اور مذہب اور اخلاق مروجہ کے خلاف اعلانِ بغاوت ہے۔ کیونکہ کارل مارکس اور اس کے تمام متبعین درحقیقت انسانی تہذیب اور مغربی اقتصادی نظام یعنی سرمایہ داری کے مظالم کا ذمہ دار خدا کو گردانتے ہیں اور مذہبی اخلاق و ضوابط کو اقتصادی عدم مساوات اور افلاس و بدحالی کا ایک حد تک ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ اور گو مغربی سرمایہ داری نظام اور مغربی جمہوریت بھی خدا سے بغاوت کا ہی نتیجہ ہیں۔ لیکن جو چیلنج اشتراکیت اور اشتمالیت نے مذہب اور خدا کی بادشاہت کے تصوّر کو دیا ہے۔ وہ ایسا نہیں۔ کہ حاملینِ مذہب اس سے بے اعتنائی برتیں۔

ایشیا کی مرعوبیّت

ایشیائی اقوام بھی اشتراکیت کے ظواہر سے مرعوب ہو چکی ہیں۔ اور اسے بنی نوع انسان کی تمام مزمن امراض کا واحد علاج تصور کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اس کے در پردہ الحاد اور بیدینی، بداخلاقی اور آزاد خیالی نہایت سرعت سے ہمارے نوجوانوں میں پھیل رہی ہیں۔ یہ خیال کہ انسانی زندگی کا مدعا و منتہا روٹی اور لباس ہے اور تمام حل طلب مسائل اور مشکلات کی جڑ پیٹ ہے۔ اسلئے اگر اس میں مساوات ہو جائے اور باقی تمام قیود و حدود کو بالائے طاق رکھ دیا جائے تو انسان جنت ارضی میں پہنچ جائے گا۔ بظاہر بہت ہی خوش آیند معلوم دیتا ہے اور ہمارے نوجوان طبقے کو بہت اپیل کرتا ہے لیکن اگر وقت نظر سے کام لیا جائے تو معلوم ہو جائیگا۔ کہ انسان سرمایہ داری کی جگہ اشتراکیت و اشتمالیت کو اختیار کر کے گڑھے سے نکل کر کوئیں میں گر رہا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے بعض خوش خیال نوجوانوں نے جو مذہبی میلان رکھتے ہیں اشتراکیت کے پس منظر اور اس کی حقیقت سے کماحقہٗ واقفیت حاصل کئے بغیر اسلام کو بھی ایک قسم کی اشتراکیت قرار دینا شروع کر دیا ہے۔ مجھے اِس ذہنی غلامی میں قومی ہلاکت کے جراثیم نظر آرہے ہیں۔ اسلئے میری یہ دلی خواہش ہے۔ کہ جمعیت العلما کے مقتدر اراکین شریعت کے حاملین اور مسلمان قانون دان ہونے کی حیثیت سے اسلام کی پوزیشن کی وضاحت کریں۔ اور اِس نازک اور پُر آشوب وقت میں مسلمانوں کو بیدینی اور الحاد کے سیلاب بلا سے بچانے کی کوشش کریں اور کتاب و سُنّت کی روشنی میں انکی صحیح رہنمائی کریں۔

اسلام اور الحاد مغرب

مجھے یہ معلوم ہے کہ جمعیّت کے اغراض و مقاصد میں سے ایک مقصد مسلم پرسنل لا،

(PERSONAL LAW) کی حفاظت ہے۔ لیکن میرا مقصد اس سے بہت زیادہ بلند ہے۔ پرسنل لا۔ ایک محدود تصوّر ہے۔ میرا مقصد خود اسلام اور شریعت اسلامیہ کی حفاظت سے ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن حکیم کی مقدس تعلیمات اور حضرت سید المرسلین صلعم کی پاکیزہ زندگی نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لئے واحد ذریعہ نجات ہے۔ اور انسان کی تمام سیاسی، معاشی اور اجتماعی مصائب کا حل قرآن حکیم کی رہنمائی میں مضمر ہے۔ لیکن آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ نہ صرف محکوم مسلمان قرآن حکیم کی اجتماعی زندگی اور اس کے شرعی نظام سے بالکل بیگانہ ہیں اور ان کی زندگی قرآنی زندگی کی عین نقیض ہے۔ بلکہ اسلامی ممالک کا ہجر و بُعد بھی اسلام اور اسکی مقدس تعلیمات سے ایسا نمایاں ہو چکا ہے۔ کہ غیر مُسلم ہمارے ان وعدوں کی علانیہ تضحیک و تحقیر کرتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ خود ہم مُسلمانوں میں سے اکثر کی زندگی اس امر کی پُکار پُکار کر شہادت دے رہی ہے۔ کہ ع

میرے اسلام کو اِک قصّہ ماضی سمجھو

ایسے وقت میں یورپ سے الحاد و مادہ پرستی کا طوفان بلا اپنی تمام نظر فریبیوں اور سحر آفرینیوں کے ساتھ اشتراکیت، اشتمالیت، آزادی، حریّت، مساوات، مخلوط زندگی کی آواز بلند کرتا ہوُا اسلام کے ساتھ ٹکرایا۔ دین فطرت میں تو یہ صلاحیّت تھی۔ کہ وُہ اس طوفان کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرے اور اسے شکست فاش دے سکے لیکن افسوس کہ اس کے حاملین میں یہ صلاحیّت نہ تھی۔ کہ اس سرچشمہ صافی سے فیض یاب ہو کر طوفان کے مقابلے میں ڈٹ جائیں۔ خود متفرق و مشتت تھے۔ اور جزئی اور فروعی اختلافات پر ایک دُوسرے کی تفسیق و تکفیر میں اس درجہ مشغول تھے۔ کہ شتر مرغ کی طرح انہوں نے اس طوفان سے چشم پوشی کر لینا ہی کافی خیال کیا۔ لیکن یہ طوفان ایسا نہ تھا۔ کہ اسے نظر انداز کیا جا سکتا۔ اس نے ایسا شور محشر برپا کیا۔ کہ برسوں کے سوئے

ہوتے بیدار ہو گئے۔ اور اپنے اِرد گرد دیکھنے لگے۔ کہ ؎

ایں چہ شوریست کہ در دَور قمرے بینم ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شرے بینم

الحمد للہ خدا کی تائید سے بہت سے علمائے حق پیدا ہو گئے جو اس خطرے کے مقابلے میں سینہ سپر ہوئے۔ اور اب بھی بفضلہٖ ان کی ایک ایسی جماعت موجود ہے۔ جو حق کی حمایت میں شب و روز سرگرم ہے۔ لیکن ابھی تک مغربی فتنہ کا سدباب ہونا تو درکنار اس کا استیلا ابھی کم نہیں ہوا۔

علمائے حق اور انسدادِ فتن

اسی قسم کے پُر فتن حالات سے اسلام کو پہلے بھی دوچار ہونا پڑا ہے لیکن علمائے حق نے ہمیشہ کتاب و سنّت کی روشنی میں نئی راہیں نکالیں اور ان فتنوں کا کامیابی سے مقابلہ کیا۔ مثلاً جب خلفائے عباسیہ کے زمانے میں یونانی فلسفے اور ہندی تصوّف نے اسلامی تصوّرات پر یورش کی اور اعتزال ولاادریت اور باطنیت کے فتنوں نے سر اُٹھایا تو علمائے اسلام نے پہلے تو ان علوم کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا اور غث و ثمین کو جُدا جُدا کیا اور کتاب و سُنّت کو دلیل راہ بنا کر علم کلام کی بنیاد ڈالی۔ اور امام ابن تیمیہؒ نے تو رسالہ الرد علی المنطق لکھ کر یونانی فلسفے کا سر ہی کچل دیا۔ اسی طرح ہندوستان نے مجدّد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ اور اس آخری دور میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" لکھ کر جدید حکمت اسلامیہ کی داغ بیل ڈالی۔ اب بھی جماعت علما موجودہ مغربی فتن کا اسی صورت میں کامیابی سے مقابلہ کر سکتی ہے۔ اگر وہ اولاً اپنے فروعی اور جزئی اختلافات کو مٹا کر الحاد و بے دینی کے مقابلے میں بنیانٌ مرصوص بن جائیں۔ ثانیاً فلسفہ جدیدہ، سائنس، سرمایہ داری اقتصادیات اور اشتراکی اور اشتمالی لٹریچر سے کماحقہ واقفیت حاصل کریں اور پھر

کتاب وسنّت سے اس کا نعم البدل اربابِ نظر کے سامنے پیش کریں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ علمائے کرام براہ راست کتاب وسنّت سے مستفیض ہوں۔ اور زمانۂ نبوی اور خلافت حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو دلیل راہ بنا کر دُنیا کے سامنے اسلامی اجتماعی اور معاشی زندگی کا ایک نقشہ پیش کریں۔ اور سب سے پہلے خود اسلامی ممالک کو اس پر کاربند ہونے کی دعوت دیں۔ اور پھر تمام دُنیا کو اِس کیطرف بلائیں۔ اور یہ ثابت کردیں کہ انسان کی تمام مصائب کا واحد حل اِسی نظام میں ہے۔

کامیابی کے دو عناصر

حضرات! کسی تحریک کی کامیابی کے لئے دو عناصر کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک تو مضبوط جماعت دوسرے اس جماعت کے افراد کا اس تحریک کی صداقت اور کامیابی پر ناقابلِ تسخیر ایمان۔ آج ہم میں ان دونوں چیزوں کی کمی ہے۔ میری دلی تمنّا ہے۔ کہ جمعیت العلما اس دوگونہ کام کی تکمیل کا بیڑا اُٹھائے۔ اس کام کے لئے ضروری ہے۔ کہ سب سے پہلے ہم اپنے جزئی اور فروعی اختلافات کو بند کر کے ایک اہم اور عظیم الشان مقصد کے لئے ایک جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہندوستان کے مجدّد اعظم حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی نام لیوا دو جماعتیں بھی ایسے نازک وقت میں اپنے فروعی اختلافات کو مٹا کر اسلام کی حفاظت اور دماغ میں ایک ہونے کی کوشش نہیں کرتیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ اگر یہ دونو جماعتیں اسلام کے دماغ کے مقصد عظیم کے لئے متحد ہو کر اہل سنت والجماعت کے دوسرے فرقوں کو دعوت اتحاد دیں گی۔ تو وہ سب ان کی طاقت کو لبیکؔ کہیں گے۔ بعد ازاں اگر اِس مقصد عظیم کو تمام دنیائے اسلام کے سامنے پیش کیا جائے۔ سب کو دعوتِ اتحاد دی جائے تو مجھے یقین ہے کہ شیعہ وسُنی

کا اتحاد بھی ناممکن الحصول نہیں ہے۔ قصہ مختصر جمعیت العلماء کی از سر نو ایسی تشکیل و تنظیم کی جائے۔ کہ وہ تمام اسلامی جماعتوں کی مقتدر اور متبوع جماعت بن جائے اور مسلمانوں کے لئے تمام امور شرعی میں اسکا فیصلہ ناطق ہو۔

قانون فسخ نکاح کی مثال

یہاں میں استطراداً ایک مثال پیش کرتا ہوں جس سے آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ ہمارا اتحاد اس غلام ملک میں بھی کس قدر مفید کام انجام دے سکتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے۔ کہ شادی شدہ عورتوں کا اپنے شوہروں کے مظالم سے نجات پانے کے لئے مرتد ہونے کے واقعات نے مسلمانوں میں کس قدر ہیجان پیدا کر دیا تھا۔ علمائے کرام نے اِس خطرے کو محسوس کیا۔ کہ انگریزی پرسنل لا جو ہندوستان میں محمڈن لا کے نام سے رائج ہے۔ اِس امر میں مظلوم عورت کے حق میں کافی لبرل نہیں ہے۔ چنانچہ جمعیت العلماء کے اراکین نے فقہ مالکی کو سامنے رکھ کر ایک مسودہ قانون مرتب کیا۔ جو بعد میں سید احمد کاظمی صاحب نے مرکزی اسمبلی میں پیش کیا۔ اور جو بعض ترمیمات کے بعد "قانون فسخ نکاح" کی صورت میں پاس ہو گیا۔ اور فتنۂ ارتداد محصنات کا دروازہ بند ہو گیا۔ مجھے معلوم ہے۔ کہ جمعیت العلماء کے اکثر اراکین کو اُن ترمیمات سے جو اسمبلی میں منظور ہوئیں اتفاق نہیں۔ مثلاً جمعیت کا مطالبہ تھا۔ کہ فسخ نکاح کے مقدمات صرف مسلمان حاکم یا جج کے سامنے پیش ہوں اور وہی اُنکا فیصلہ کرے۔ کیونکہ شریعتِ اسلامیہ کسی غیر مسلم حاکم کو تسلیم ہی نہیں کرتی۔ لیکن یہ مطالبہ منظور نہ ہو سکا۔ اسکے بعد بھی جمعیت العلماء نے بہت کوشش کی کہ قانون فسخ نکاح میں یہ دفعہ بڑھا دی جاوے لیکن نظر بہ حالات موجودہ اس دفعہ کی ایزادی قریباً ناممکن ہے اگر آپ حضرات مجھے معاف فرمائیں تو میں یہ عرض کرونگا۔ کہ ہماری اس مساعی کی

ناکامی کے ذمہ دار بھی ہم خود ہیں افسوس ہم اپنی کمزوری کے درمان غیر مسلموں کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے ہیں اس ضمن میں آپکو پارسی قوم سے سبق حاصل کرنا چاہئے پارسی قوم نے اپنی مذہبی تنظیم کی ہے۔ اور انکے مدبر اعظم کے ماتحت تمام ان شہروں میں جہاں پارسی آباد ہیں پارسی مذہبی پنچایتیں آباد ہیں۔ اِن پنچائتوں کے رُکن صرف پارسی علماہی ہوسکتے ہیں۔ پارسیوں کے تمام مذہبی اور معاشرتی معاملات و مقدمات ان مذہبی پنچایتوں کے سامنے پیش ہوتے ہیں اور ان کا فیصلہ ناطق ہوتا ہے۔ اسکے خلاف اپیل صرف ممبئی ہائیکورٹ میں ہی ہوسکتی ہے۔ اسطرح اگر جمعیت العلما اپنی تشکیل و تنظیم کرکے مسلمانوں کو منظم کرسکتی تو اسکے لئے بالکل آسان تھا۔ کہ ایک کل ہند دار القضا قائم کرکے ہر ہر ضلع میں اس کی شاخیں قائم کردے! اور مسلمانوں کو حکم دے۔ کہ اپنے تمام شرعی مقدمات کو ان شرعی اداروں کے سامنے پیش کریں! اور پھر گورنمنٹ سے مطالبہ کرے کہ دارالقضا اور اسکے ملحقہ اداروں کے فیصلوں کو قانونی طور پر تسلیم کیا جائے۔ اور انکے فیصلے کے خلاف اپیل صرف مقامی ہائیکورٹ میں مسلمان جج کے سامنے ہوسکے۔ یہ چیز نہ صرف گورنمنٹ کے لئے قابل قبول ہوگی۔ بلکہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔

مسلمانوں کی جماعتی تنظیم کے چند مرحلے

قصہ مختصر بزرگانِ من! میری ناقص رائے میں مسلمانوں کی موجودہ تمام مشکلات اور بیرونی اور اندرونی خطرات کا مقابلہ کرنے اور الحاد و بیدینی کے سیلاب کو روکنے کے لئے سب سے اقدم ضرورت یہ ہے۔ کہ جمعیت العلماء مسلمانوں کی جماعتی تنظیم کا بیڑا اُٹھائے اور سب وقتی اور ہنگامی کاموں سے قطع نظر کرکے اس ایک اہم مقصد کو لے کر میدانِ عمل میں اُتر آئے ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار بگذارند و خمِ طرۂ یارے گیرند

اور اس کے لئے ضروری ہے کہ۔

۱۔ جیسا کہ میں بار بار عرض کر چکا ہوں۔ جمعیت العلماء کی از سر نو تشکیل و تنظیم ہونی چاہیے۔ اور اختلافی و فروعی مسائل سے قطع نظر کرکے تمام علما کو اس میں شرکت کی دعوت دینی چاہیے! اور اسکی مجلس عاملہ ایسی مضبوط ہونی چاہیے۔ کہ وہ اس کام کو پوری تندھی سے سرانجام دینے کی اہل ہو۔

۲۔ پھر چیدہ چیدہ علما کی سب کمیٹیاں بنائی جائیں جن میں سے ہر ایک مندرجہ ذیل امور میں سے ایک ایک موضوع پر کام کرنا شروع کر دے۔ یہ ضروری ہے کہ ہر کمیٹی میں جماعت اہلحدیث، دیوبندی جماعت اور فرنگی محلی اور بریلوی جماعتوں کے نمائندے شریک ہوں۔

(ا) فقہائے اربعہ اور ائمہ اہلحدیث کے اجتہادات سے استفادہ کرکے جدید مسلم پرسنل لا کی تشکیل کرے۔ تاکہ اسے بطور فقہ رائج الوقت تمام اسلامی ممالک میں رواج دیا جا سکے۔ ریاست بھوپال نا میں مستحسن اقدام ہو چکا ہے لیکن یہ کام ایک ریاست کے بس کا نہیں یہ جمعیت کا کام ہے

(ب) موجودہ اقتصادی اور سیاسی مذاہب کا بنظر غائر مطالعہ کرے۔ اور کتاب و سنت کے مجوزہ اقتصادی اور سیاسی نظام کو منقح شکل میں پیش کرے۔ تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ جس اکسیر اعظم کی انہیں تلاش ہے وہ نہ تو کسی ڈیموکریسی میں نہ ہی شراکیت و اشتمالیت میں نہ ہی فاشسزم میں ہے۔ بلکہ اسلام میں ہے۔ اور تمام بنی نوع انسان پر یہ حقیقت روشن ہو جائے۔ کہ ان کا مدعا و منتہا کیا تھا۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

(ج) کل ہند دار القضا کی تشکیل و ترتیب اور اسکی ضلع وار شاخوں کا قیام۔ یہانتک کہ ہر مسلم تحصیل، قریہ اور قصبے میں ایک ایک مسلم قاضی کا تعین و تقرر ہو جائے۔

(د) مسلمانان ہند کی شرعی تنظیم اور بیت المال کا قیام۔ اور اس کے ذیل میں اسلامی

کوآپریٹیو سسٹم کی تشکیل و تعمیر۔

(ہ) اوقاف کی نگرانی اور انکا صحیح انتظام۔

(س) تبلیغی کمیٹیاں مرتب کرنا مسلمانوں کی مذہبی اقتصادی اور معاشرتی اصلاح غیر مسلموں میں اشاعت اسلام۔ بالخصوص اچھوتوں کو دعوت دیکر انہیں اسلام کی برادری میں شامل کر کے انسانی حقوق سے متمتع کرنا۔ اسکی ذیل میں دیہاتوں کی اصلاح و تہذیب کا کام خاص طور پر توجہ کے قابل ہے۔

(ص) عربی دینی مدارس کے نصاب کو موجودہ ضروریات کے مطابق بنا کر مسلمانوں کے تعلیمی نظام کی اصلاح و تجدید۔

مسلمان مذہب کے شیدائی ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ اگر ہم غور و خوض کے بعد مندرجہ بالا خاکہ کے مطابق کام کرنا شروع کر دیں۔ تو مسلمانانِ ہند بہت جلد ہندوستان میں صفِ اول میں جگہ پانے کے قابل ہو سکیں گے۔ کیونکہ میں اپنے بیس پچیس سالہ سیاسی جد و جہد کے تجربے کی بنا پر بوثوق کہہ سکتا ہوں۔ کہ مسلمانانِ ہند اپنے وطن کی آزادی کے حصول کے شوق میں کسی دوسری قوم سے پیچھے نہیں۔ وہ ہر وقت اس کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے کے لئے تیار ہیں۔ وہ مال و دولت کے پیاسے نہیں۔ وہ آزادی کے پیاسے ہیں اِسکی وجہ یہ ہے کہ آزادی کا سبق ہر مسلم کو اِسکے مذہب نے گھٹی میں گھول کر پلایا ہے۔ وہ آزادی کا متلاشی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے مذہب کا دالہ اور شیدا ہے۔ اور مذہب کے نام پر وہ ہر قسم کی قربانی کرنے کیلئے ہر وقت مستعد ہے۔ بے خبر لوگ اسے "مذہبی مجنوں" کہکر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ مگر میں اس جنون پر فخر کرتا ہوں۔ یہی ہمارا سرمایہ حیات ہے۔ اسلئے اگر جمعیت العلما مسلمانوں کی شرعی تنظیم کیلئے متوکلاً علی اللہ میدان میں اُتر آئیگی۔ تو مجھے یقین ہے کہ مسلمان دیوانہ وار اسکی دعوت پر لبیک کہیں گے۔ میں اپنے تجربے و علم کی بنا پر بڑے وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ ہندوستان کے

مسلمان کو اپنی ذلت کا کماحقہ احساس ہو چکا ہے۔ اور اسلئے اس امر کا بھی یقین ہو چکا ہے کہ اس کی نجات تنظیم اسلامی میں ہے۔ اس لئے جب کبھی اور جہاں کہیں بھی تنظیم کی صدا بلند ہوئی مسلمان تعلیم یافتہ نوجوانوں نے اسے لبیک کہا۔ مسلمانوں کے اس ذہنی اضطراب کی تصویر مرزا غالب نے خوب کھینچی ہے ؎

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

اسلئے جب مسلمانوں کو صحیح راہبر مل جائے گا تو اسوقت انکے جوش اور فدویت کا اندازہ کرنا مشکل ہوگا۔ مسالہ تیار ہے۔ آپ اس کو استعمال کرنے کے لئے کمر ہمت باندھیے۔

ہمارے صدر محترم

حضرات! خوش قسمتی سے ہماری جمعیت کی باگ ڈور ایک ایسی محترم ہستی نے اپنے ہاتھ میں لی ہے جنکی مجاہدانہ سرفروشیاں محتاج تعارف نہیں۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی ان مخلص جانثاروں اور سچے مجاہدوں کی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو ہندوستان میں موجودہ جہاد آزادی کی حقیقی علمبردار تھی۔ اس پیر جوان ہمت کا جذبۂ خدمت اسلامی، ایثار و اخلاص، اسلاف کرام کی یاد تازہ کرتا ہے۔ ان کی ذات گرامی سے ہماری بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔ اللہ تعالےٰ اس خضر راہ کو عمر اور توانائی عطا فرمائے۔ کہ موجودہ تلاطم انگیز دور میں ہماری کشتی کی ناخدائی کے فرائض انجام دے سکیں۔ آمین ثم آمین۔

میں اب آپکا زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا اور اپنی کوتاہیوں کی دوبارہ معذرت کرتے ہوئے صدر محترم حضرت مولینا حسین احمد صاحب مدظلہ العالی سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ وہ کرسی صدارت کو رونق بخشیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

۲۰ مارچ ۴۲ء
عبدالقادر قصوری